اس آدمی کے نام::

جس نے اپنی خونریزیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا::

''جب میں نے ایک بڑھیا کو مارا، تو مجھے ایسا لگا، مجھ سے قتل ہو گیا ہے۔''

www.iqbalcyberlibrary.net
All rights reserved.
©2002-2006

حاشیہ آرائی

پچھلے دس سال میں نئے ادب کی تحریک نے اردو افسانوی ادب میں گرانقدر اضافے کیے ہیں، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ اکثر و بیشتر نئے انسانوں کی محرک تخلیق کی اندرونی لگن نہ تھی، بلکہ خارجی حالات اور واقعات خواہ ان کا تعلق مصنف کی ذات سے ہو یا ماحول سے، ممکن ہے یہ بہت حد تک اس رائج الوقت عقیدے کے ماتحت ہوا ہو کہ محض خارجی ماحول کو بدل دینے سے انسانوں کی داخلی زندگی کو بدلا جا سکتا ہے۔ بہر حال عام طور سے یہ دستور رہا ہے کہ جب ہمارے افسانہ نگاروں کو اپنی ادبی سرگرمیاں کمزور ہوتی معلوم ہوئی ہیں، تو انہوں نے اپنے آپ کو الزام نہیں دیا ہے، انہیں کبھی یہ تشویش نہیں ہوئی کہ شاید ہماری اندرونی نشوونما بند ہو گئی ہے۔ جسے ہم داخلی عمل سے دوبارہ جاری کر سکتے ہیں، اس کے بر خلاف انہوں نے اپنے آپ کو یہی سوچ کر تسلی دے لی کہ خارجی دنیا میں کوئی ایسی بات ہو ہی نہیں رہی، جس کے بارے میں کچھ لکھا جایا۔ چھ سات سال ہوئے میں نے اردو کے ایک افسانہ نگار کو جنہوں نے مفلسی، غلامی، اور کشمیر کے متعلق افسانے لکھ کر خاصی مقبولیت حاصل کر لی تھی، یہ کہتے ہوئے سنا تھا، کہ اگر جاپانی ہندوستان پر حملہ کر دیں اور ملک میں کچھ گڑبڑ ہو تو ادب پہ بہار آئے۔

خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے، جاپانیوں کا نہ سہی قحط کا حملہ ہوا۔ کسی نے چور بازار میں چاول بیچ کر روپے بٹورے، کسی نے افسانے لکھ کر شہرت، چلئے دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے کسی نہ کسی کے بھلے کے لئے ہوتا ہے۔ اس زمانے میں قحط کو ایسا تقدس حاصل ہوا، کہ طالب علموں تک نے اپنے جنسی تجربات کے بجائے بھوکوں کے متعلق لکھنا شروع کر دیا۔ زور یہ تھا نا کہ اگر رسالے کے مدیر نے افسانہ چھاپنے سے انکار کر دیا تو وہ شقی القلب اور بے رحم ٹھہرے گا۔ غرض بنگال کی مصیبتوں کے طفیل ہمارے افسانہ نگاروں کو کچھ دن خاصی آسانی رہی، گھڑے گھڑائے افسانے

ملتے رہے، واقعات، جذبات سب مہیا تھے کسی چیز کے لیے کاوش کی ضرورت ہی نہ تھی۔

پھر قحط کچھ ٹھنڈا پڑا تو جہازیوں کی ہڑتال ہوگئی۔ کہیں فتح کے جشن میں ہنگامہ ہو گیا، غرض کسی نہ کسی طرح کاروبار چلتا رہا۔ اور جب ۴۷ء کے فسادات ہوئے تو گویا خدا نے چھپر پھاڑ کر دے دیا۔ جی چاہے تو اہلیہ افسانہ لکھیے، ورنہ طنزیہ مضمون ہوسکتا ہے۔ انسانوں کی درندگی پر دانت پیسیے، سامراج کی چالاکیوں کا پردہ چاک کیجیے، ان باتوں سے جی بھر جائے تو کچھ عورتوں کی بے حرمتی کے ذکر سے گرمی پیدا کیجیے۔ موقع موقع سے یہ بھی دکھاتے چلیے کہ اس ہمیت کے ساتھ ساتھ رحمدلی اور انسانی ہمدردی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ پھر بھولا بھالا سا منہ بنا کر تعجب کیجیے۔

کہ ہندو مسلم کی عقل کو کیا ہوگیا، کل تک تو بھائی بھائی تھے۔ آج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے کیوں ہوگئے۔ بس خطرہ یہ رہ جاتا ہے کہ آپ کے اوپر جانب داری کا الزام نہ آجائے، تو وہ بھی ایسی مشکل بات نہیں، شروع میں اگر پانچ ہندو مارے گئے تو افسانہ ختم ہوتے ہوتے پانچ مسلمانوں کا حساب پورا ہوجانا چاہیئے۔ ترازو کی تول دونوں طرف قصور برابر کر دیجیے۔ رمز اصل میں یہ ہے کہ آپ اپنی انسانیت پرستی، نیک دلی، بے تعصبی، اور امن پسندی ثابت کر دیں، اور کسی کو بات بری بھی نہ لگے۔

اگر کوئی آدمی ہوا میں تنی ہوئی رسی پر چلنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو داد تو ہمیں اس کو بھی دینی پڑے گی۔ آخر اپنے شریفانہ جذبات کو منظر عام پر لانا اور اس طرح دوسروں کے شریفانہ جذبات کو مشتعل کرنا بھی تو انسانیت کی ایک خدمت ہے۔ البتہ شریفانہ جذبات میں تھوڑی سی کسر یہ ہے کہ ان کے ذریعے ادب کی تخلیق نہیں ہوسکتی۔ میں یہ بات کوئی خیالی اور غیر ممکن العمل معیار سامنے رکھ کر نہیں کہہ رہا ہوں، فسادات والا ادب اپنے اوپر جو شرائط عائد کرتا ہے، انہیں عموماً خود پورا نہیں

کرتا۔فسادات پر لکھنے والے افسانہ نگار عموماً سب سے پہلے یہ دعویٰ کرتے ہیں، کہ ہم سچ بولیں گے، مگر ساتھ ہی انہیں یہ بھی فکر ہوتی ہے کہ ہندو ناراض نہ ہوں۔اور نہ ہی مسلمان، غیر جانب داری کے معنے عموماً یہ لیے جاتے ہیں کہ ایک جماعت ک ودوسری جماعت سے زیادہ قصوروار نہ ٹھہرایا جائے۔ یہ ادب ظلم سنگ دلی، اور بہمیت کوملعون کرنا چاہتا ہے۔مگر ظلم کوظلم کہنے کی طاقت نہیں رکھتا، اس ذمہ داری سے بچنا چاہتا ہے۔ادب سے ہم اس قسم کے جھوٹ سچ کا مطالبہ نہیں کرتے۔ہم تاریخ، معاشیات یا سیاسیات کی کتابوں سے کرتے ہیں۔ادیب سے ہم کسی نظریے یا خارجی دنیا کے بارے میں سچ بولنے کا اتنا مطالبہ نہیں کرتے، جتنا اپنے بارے میں سچ بولنے کا،فسادات پر لکھنے والے چاہے دنیا بھر کے بارے میں سچ بولتے ہوں،لیکن اپنے بارے میں نہیں بولتے،ان کی سب سے بڑی کاوش یہ ہوتی ہے کہ اپنے فطری میلانات اورتعصّبات کو چھپائے رکھیں۔حالانکہ اتنہ زبردست شورش کے زمانے میں ایسے تعصّبات کا ابھر آنا حیاتیاتی ضرورت ہے،اگر یہ لوگ اپنے افسانوں میں واقعی کوئی انسانی معنویت پیدا کرنا چاہتے ہیں،تو سب سے پہلے انہیں اپنی کمزوری کا اعتراف کرنا ہوگا۔اپنے اندر جو سچ جھوٹ بھرا ہوا ہے،اس سے چشم پوشی کر کے سچا ادب پیدا نہیں کیا جا سکتا۔البتہ مقبول عام ادب پیدا ہوسکتا ہے۔کیو نکہ پڑھنے والے بھی تو اپنے آپ کو یہی یقین دلانا چاہتے ہیں، کہ ہمارے شریفانہ جذبات ابھی مرے نہیں، دراصل ادب کو اس بات سے کوئی دل چسپی نہیں کہ کون ظلم کررہا ہے،اورکون نہیں کرہا ہے۔یانہیں ہو رہا ہے،ادب تو دیکھتا ہے کہ ظلم کرتے ہوئے اورظلم سہتے ہوئے انسانوں کا داخلی اور خارجی رویہ کیا ہوتا ہے۔جہاں تک ادب کا تعلق ہے،ظلم کا خارجی عمل اوراس کے خارجی لوازمات بے معنی چیزیں ہیں۔ہمارے افسانہ نگار ظلم کے صرف معاشری پہلو کو دیکھتے ہیں۔ہمارے افسانہ نگار تلواریں اور بندوقیں تو بیسیوں دکھاتے ہیں۔کاش ان تلواروں کے پیچھے جیتے

جاگتے ہاتھ اور سامنے جیتے جاگتے سینے بھی ہوتے۔۔۔۔میں یہ نہیں کہتا کہ فسادات پر لکھنے والے سرے سے بے خلوص ہیں۔ان میں سے بعض لوگ واقعی نیک دل اور نیک نیت ہیں،مگر ادب میں عام زندگی والا خلوص کام نہیں دیتا۔یہ لوگ اس مقصد سے افسانے لکھتے ہیں،کہ ظلم کا خارجی عمل دکھا کر ظلم کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کریں،لیکن جب تک کسی فعل کا پس منظر معلوم نہ ہو،محض خارجی عمل کا نظارہ ہمارے اندر کوئی ٹھوس اور گہری معنویت رکھنے والا ردعمل پیدا نہیں کر سکتا۔ہم انسانوں سے نفرت اور محبت تو کر سکتے ہیں۔ظالموں اور مظلوموں سے نہیں۔۔

فسادات پر لکھنے والے افسانہ نگاروں نے ظلم سے نفرت دلانے کے لئے اکثر یہ طریقہ استعمال کیا ہے،کہ ظلم ہوتا ہوا دکھا کر پڑھنے والوں کے دل میں دہشت پیدا کی جائے۔مگر یہ سارے واقعات اتنے تازہ ہیں۔لوگ اپنی آنکھوں سے اتنا کچھ دیکھ چکے ہیں یا اپنے قریبی دوستوں سے اتنا کچھ سن چکے ہیں۔کہ محض ظلموں کی فہرست اب ان کے اوپر کوئی اثر ہی نہیں کرتی۔اگر آپ نے اپنے افسانے میں دو چار عورتوں کی بے حرمتی یا بچوں کا قتل دکھا دیا تو اس سے لوگوں کے اعصاب پر کوئی رد عمل ہوتا ہی نہیں،یہ زمانہ ہی ایسا غیر معمولی ہے کہ غیر معمولی ظلم آج کل بے انتہا معمولی چیز بن چکے ہیں،غیر معمولی باتیں اب لوگوں کو چونکاتی ہی نہیں۔اس قسم کے ذکر سے ان کا تجسس تک بیدار نہیں ہوتا،اخلاقی حس تو دور کی چیز ہے فسادات والے افسانے ادب نہیں تھے،تو نہ ہوتے،مگر وہ تو اپنا سماجی مقصد بھی ٹھیک طرح سے ادا نہیں کر سکتے،کیونکہ جو باتیں اب یہ افسانے پیش کرتے ہیں۔وہ تو اب خبریں بھی نہیں رہیں۔

منٹو نے بھی فسادات کے متعلق کچھ لکھا ہے۔یعنی یہ لطیفے یا چھوٹے چھوٹے افسانے جمع کیے ہیں۔دراصل میں نے بڑا غلط فقرہ استعمال کیا ہے۔

یہ افسانے فسادات کے متعلق نہیں ہیں،بلکہ انسانوں کے بارے میں ہیں،منٹو

کے افسانوں میں آپ انسانوں کو مختلف شکلوں میں دیکھتے رہے ہیں، انسان بحیثیت طوائف کے، انسان بحیثیت تماش بین کے، وغیرہ وغیرہ۔ ان افسانوں میں آپ انسان ہی دیکھیں گے، فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں انسان کو ظالم یا مظلوم کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اور فسادات کے مخصوص حالات میں سماجی مقصد کا جھگڑا تو منٹو نے پالا ہی نہیں۔ اگر تلقین سے آدمی سدھر جایا کرتے تو گاندھی جی کی جان ہی کیوں جاتی۔ منٹو کو افسانوں کے اثرات کے بارے میں نہ زیادہ غلط فہمیاں ہیں، نہ انہوں نے ایسی ذمہ داری اپنے سر لی ہے، جو ادب پوری کر ہی نہیں سکتا۔ سچ پوچھیے تو منٹو نے ظلم پر بھی کوئی خاص زور نہیں دیا۔ انہوں نے چند واقعات تو ضرور ہوتے دکھائے ہیں۔ مگر یہ کہیں نہیں ظاہر ہونے دیا کہ یہ واقعات یا افعال بنفسہ اچھے ہیں یا برے۔ نہ انہوں نے ظالموں پر لعنت بھیجی ہے نہ مظلوموں پر آنسو بہائے ہیں۔ انہوں نے یہ تک فیصلہ نہیں کیا کہ ظالم لوگ برے ہیں یا مظلوم اچھے ہیں۔ براعظم ہندوستان کے یہ فسادات ایسی پیچیدہ چیز ہیں، اور صدیوں کی تاریخ سے، صدیوں آگے کے مستقبل سے اس بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔ کہ ان کے متعلق اچھے برے کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، کم سے کم ایک معقول ادیب کو یہ زیب نہیں دیتا، کہ ایسے ہوش اڑا دینے والے واقعات کے متعلق سیاسی لوگوں کی سطح پر اتر کے فیصلے کرنے لگے۔ منٹو نے اپنے افسانوں میں وہی کیا ہے، جو ایک ایمان دار (سیاسی معنوں میں ایمان دار نہیں بلکہ ادیب کی حیثیت سے ایماندار) اور حقیقی ادیب کو ان حالات میں اور ایسے واقعات کے اتنے تھوڑے عرصے بعد لکھتے ہوئے کرنا چاہیئے تھا۔ انہوں نے نیک بد کے سوال ہی کو خارج از بحث قرار دے دیا ہے۔

ان کا نقطہ نظر نہ سیاسی ہے، نہ عمرانی، نہ اخلاقی بلکہ ادبی اور تخلیقی۔ منٹو نے نہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ ظالم یا مظلوم کی شخصیت کے مختلف تقاضوں سے ظالمانہ فعل کا کیا تعلق ہے۔ ظلم کرنے کی خواہش کے علاوہ ظالم کے اندر اور کون کون

اس میں خوف کا پہلو یہ ہے کہ انسانیت کے احساس کے باوجود انسان حیوان بننا کیسے گوارہ کر لیتا ہے۔ اور تسکین کا پہلو یہ ہے کہ وحشی سے وحشی بن جانے کے بعد بھی انسان اپنی انسانیت سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ منٹو کے ان افسانوں میں یہ دونوں پہلو موجود ہیں۔ خوف بھی اور دلاسا بھی۔ ان لطیفوں میں انسان اپنی بنیادی بے چارگیوں، حماقتوں، نفاستوں اور پاکیزگیوں سمیت نظر آتا ہے۔ منٹو کے قہقہے میں بڑا زہر ہے۔ مگر یہ قہقہہ ہمیں تسلی بھی بہت دلاتا ہے۔ غیر معمولی حالات میں یہ کہنا کہ انسان کی معمولی دلچسپیاں اور معمولی میلانات کسی کے دبانے سے نہیں دب سکتے۔ بڑی بات ہے کہ منٹو نے انسان کو نہ ظالم بنایا ہے نہ مظلوم، بلکہ بس اتنا اشارہ کر کے چپ ہو گیا ہے، کہ انسان میں بہت سی باتیں بالکل اٹل، بے جوڑ ہیں۔ اس خیال سے مایوسی بھی بہت پیدا ہوتی ہے۔ مگر ایک طرح سے دیکھیے تو انسانی فطرت کا یہ اٹل جوڑ پن ہی حقیقی رجائیت کی بنیاد بن سکتا ہے۔ اگر انسان صرف ایک طرح کا، صرف نیک یا صرف بد ہوتا، تو بڑی خطرناک چیز ہوتا۔ انسان کی طرف سے اگر کوئی امید بندھتی ہے، تو صرف اس وجہ سے کہ انسان کا کچھ ٹھیک نہیں اچھا بھی ہو سکتا ہے، اور برا بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان اپنی انسانیت کے دائرے میں محبوس ہے، نہ تو فرشتہ بن سکتا ہے۔ نہ شیطان۔ وہ کتنا ہی غیر معمولی بننا چاہے، معمولی زندگی کے تقاضے اسے پھر اپنی حدود میں گھسیٹ لاتے ہیں۔ روز مرہ کی معمولی زندگی ایسی طاقت ور چیز ہے، کہ انسان اگر اچھا نہیں بن سکتا، تو بہت برا بھی نہیں بن سکتا۔ معمولی زندگی اسے ٹھونک پیٹ کے سیدھا کر ہی لیتی ہے۔ منٹو کے ان افسانوں کا سب سے بڑا وصف معمولی زندگی کی قوت اور عظمت کا یہی اعتراف ہے۔ دوسرے افسانہ نگار ہندوؤں اور مسلمانوں کو شرم دلا دلا کر انہیں راہ راست پر لانا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کے افسانے ختم کرنے کے بعد ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے، کہ ان کا احتجاج کارگر ہو گا بھی یا نہیں، منٹو نہ تو کسی کو شرم دلانا

چاہتا ہے نہ راہ راست پر لانا چاہتا ہے۔ وہ تو بڑی طنزیہ مسکراہٹ سے انسانوں سے یہ کہتا ہے، کہ تم اگر چاہو بھی تو بھٹک کے بہت زیادہ دور نہیں جا سکتے۔ اس اعتبار سے منٹو کو انسانی فطرت پر کہیں زیادہ بھروسہ نظر آتا ہے۔ دوسرے لوگ انسان کو ایک خاص رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ انسان کو قبول کرنے سے پہلے چند شرائط عائد کرتے ہیں۔ منٹو کو انسان اپنی اصلی شکل وصورت میں ہی قبول ہے۔ خواہ وہ کیسی بھی ہو، وہ دیکھ چکا ہے، کہ انسان کی انسانیت ایسی سخت جان ہے کہ اس کی بربریت میں بھی اس انسانیت کو ختم نہیں کر سکتی۔ منٹو کو اسی انسانیت پر اعتماد ہے۔

فسادات کے متعلق جتنے بھی افسانے لکھے گئے ہیں۔ ان میں منٹو کے یہ چھوٹے لطیفے سب سے زیادہ ہول ناک اور سب سے زیادہ رجائیت آمیز ہیں۔ منٹو کی دہشت اور منٹو کی رجائیت سیاسی لوگوں یا انسانیت کے نیک دل خادموں کی دہشت اور رجائیت نہیں ہے، بلکہ ایک فن کار کی دہشت اور رجائیت، اس کا تعلق بحث وتمحیص یا تفکر سے نہیں ہے، بلکہ ٹھوس تخلیقی تجربے سے، یہی منٹو کے ان افسانوں کا واحد امتیاز ہے۔

محمد حسن عسکری

مزدوری

لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا، اس گرمی میں اضافہ ہو گیا۔ جب چاروں طرف آگ بھڑکنے لگی۔

ایک آدمی ہارمونیم کی پیٹی اٹھائے خوش خوش گاتا جا رہا تھا۔

جب تم ہی گئے پردیس لگا کر ٹھیس او پیتم پیارا، دنیا میں کون ہمارا،

ایک چھوٹی عمر کا لڑکا جھولی میں پاپڑوں کا انبار ڈالے بھاگا جا رہا تھا ٹھوکر لگی تو پاپڑوں کی ایک گڈی اس کی جھولی میں سے گر پڑی، لڑکا اسے اٹھانے کے لئے جھکا، تو ایک آدمی جس نے سر پر سلائی مشین اٹھائی ہوئی تھی، اس سے کہا رہنے دے بیٹا۔ اپنے آپ ہی بھن جائیں گے۔

بازار میں دھب سے ایک بوری گری، ایک شخص نے جلدی سے بڑھ کر اپنے چھرے سے اس کا پیٹ چاک کیا۔۔۔ آنتوں کی بجائے شکر، سفید سفید دانوں والی ابل کر باہر نکل آئی، لوگ جمع ہو گئے اور جھولیاں بھر بھر کر لے جانے لگے۔ ایک آدمی کرتے کے بغیر تھا۔ اس نے جلدی سے اپنا تہہ بند کھولا، اور مٹھیاں بھر بھر اس میں ڈالنے لگا۔

ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ۔۔ ایک تانگہ تازہ تازہ روغن شدہ الماریوں سے لدا ہوا گزر گیا۔

اونچے مکان کی کھڑکی میں سے ململ کا تھان پھڑ پھڑاتا ہوا باہر نکلا، شعلے کی زبان نے ہولے سے اسے چاٹا، سڑک تک پہنچا تو راکھ کا ڈھیر تھا۔

پوں پوں۔۔۔ پوں پوں۔۔۔ موٹر کے ہارن کی آواز کے ساتھ دو عورتوں کی چیخیں بھی تھیں۔۔۔

لوہے کا یک سیف دس پندرہ آدمیوں نے کھینچ کر باہر نکالا، اور لاٹھیوں کی مدد سے اسے کھولنا شروع کیا۔

گاؤ اینڈ گیٹ،، دودھ کے کئی ٹین دونوں ہاتھوں پر اٹھائے اپنی ٹھوڑی سے ان کو سہارا دیے ایک آدمی دکان سے باہر نکلا، اور آہستہ آہستہ بازار میں چلنے لگا۔

بلند آواز آئی،، آؤ آؤ،، لیمونیڈ کی بوتلیں پیو،، گرمی کا موسم ہے،،،

گلے میں موٹر کا ٹائر ڈالے ہوئے آدمی نے بوتلیں لیں،، اور شکریہ ادا کیے بغیر چل دیا۔۔۔

ایک آواز آئی۔۔ کوئی آگ بجھانے والے کو اطلاع دے دے،،، سارا مال جل جائے گا، کسی نے اس مفید مشورے کی طرف توجہ نہ دی۔

لوٹ کھسوٹ کا بازار اسی طرح گرم رہا، اور اس گرمی میں چاروں طرف بھڑکنے والی آگ برابر اضافہ کرتی رہی۔ بہت دیر کے بعد تڑتڑ کی آواز آئی، گولیاں چلنے لگیں۔۔

پولیس کو بازار خالی نظر آیا، لیکن دور دھوئیں میں ملفوف موڑ کے پاس ایک آدمی کا سایہ نظر آیا۔ پولیس کے سپاہی سیٹیاں بجاتے ہوئے اس کی طرف لپکے۔۔ سایہ تیزی سے دھوئیں کے اندر گھس گیا، پولیس کے سپاہی بھی اس کے تعاقب میں گئے۔

دھوئیں کا علاقہ ختم ہوا تو پولیس کے سپاہیوں نے دیکھا کہ ایک کشمیری مزدور پیٹھ پر وزنی بوری اٹھائے تیزی سے بھاگا چلا جا رہا ہے۔ سیٹیوں کے گلے خشک ہو گئے مگر وہ کشمیری مزدور نہ رکا۔ اس کی پیٹھ پر وزن تھا، معمولی وزن نہیں۔ ایک بھری ہوئی بوری تھی۔ لیکن وہ یوں دوڑ رہا تھا جیسے پیٹھ پر کچھ ہے ہی نہیں۔۔۔

سپاہی ہانپنے لگا۔ ایک نے تنگ آ کر پستول نکالا اور داغ دیا۔ گولی کشمیری مزدور کی پنڈلی میں لگی، بوری اس کی پیٹھ پر سے گر پڑی، گھبرا کر اس نے اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے سپاہی کو دیکھا، پنڈلی سے بہتے ہوئے خون کی طرف بھی اس نے غور کیا۔ لیکن ایک ہی جھٹکے سے بوری اٹھائی اور بھاگنے لگا،

سپاہیوں نے سوچا جانے دو، جہنم میں جائے۔۔۔

ایک دم لنگڑاتا ہوا کشمیری مزدور لڑکھڑا اور گر گیا،،بوری اس کے اوپر آ رہی۔۔۔

سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا اور بوری سمیت لے گئے۔۔۔

راستے میں کشمیری مزدور نے بار ہا کہا،حضرت آپ مجھے کیوں پکڑتی ہے،،،،،میں تو غریب آدمی ہوں،،،،چاول کی ایک بوری لیتی،،،،،گھر میں کھاتی،،،،،آپ مجھے ناحق گولی مارتی،،،،لیکن اس کی ایک نہ سنی گئی،،،،،

تھانے میں بھی کشمیری مزدور نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا،،،،

حضرت دوسرا لوگ بڑا بڑا مال اٹھاتی،،،،میں تو فقط ایک چاول کی بوری لیتی،،،،حضرت میں بہت غریب ہوتی،،،،،ہر روز بھات کھاتی۔۔۔

جب وہ تھک ہار گیا تو اس نے اپنی میلی ٹوپی سے ماتھے کا پسینہ پونچھا ،اور چاولوں کی بوری کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر تھانے دار کے آگے ہاتھ پھیلا کر کہا،،اچھا حضرت تم بوری اپنی پاس رکھ،،،،میں اپنی مزدوری مانگتی ،،،چار آنے،،،،

آ گئی ہے تو حاسد مت بنو، اتنا بڑا مکان ہے اپنے لئے کوئی اور چیز ڈھونڈ لو مگر ایسا کرتے ہوئے وحشی نہ بنو، مار دھاڑ کرو گے تو چیزیں ٹوٹ جائیں گی، اس میں نقصان تمہارا ہی ہے۔

لٹیروں میں ایک بار پھر نظم پیدا ہو گیا، بھرا ہوا مکان آہستہ آہستہ خالی ہونے لگا۔

دبلا پتلا آدمی وقتاً فوقتاً ہدایت دیتا رہا، دیکھو بھیا یہ یہ ریڈیو ہے۔۔آرام سے اٹھاؤ، ایسا نہ ہو ٹوٹ جائے، یہ اس کی تار بھی ساتھ لیتے جاؤ۔

تہہ کر لو بھائی اسے تہہ کر لو۔اخروٹ کی لکڑی کی تپائی ہے،،ہاتھی دانت کی پچی کاری سے بڑی نازک ہے،،،،ہاں اب ٹھیک ہے۔۔

نہیں نہیں یہاں مت پیو،، بہک جاؤ گے، اسے گھر لے جاؤ۔

ٹھہرو ٹھہرو مجھے مین سوئچ بند کر لینے دو، ایسا نہ ہو کرنٹ کا دھکا لگ جائے۔

اتنے میں ایک طرف سے شور بلند ہوا، چار بلوائی ایک ریشمی کپڑے کے ایک تھان پر چھینا جھپٹی کر رہے تھے، دبلا پتلا آدمی تیزی سے ان کی طرف بڑھا، اور ملامت بھرے لہجے میں کہنے لگا تم کتنے بے سمجھ ہو چندی چندی ہو جائے گی، ایسے قیمتی کپڑے کی، گھر میں سب چیزیں موجود ہیں، گز بھی ہو گا۔تلاش کرو اور ماپ کر کپڑا آپس میں تقسیم کر لو۔

دفعتاً کتے کے بھونکنے کی آواز آئی، عف عف عف اور چشم زدن میں ایک بہت بڑا گدی کتا ایک جست کے ساتھ اندر لپکا اور لپکتے ہی اس نے دو تین لٹیروں کو بھنبوڑ دیا، دبلا پتلا آدمی چلایا ٹائیگر،، ٹائیگر،،

ٹائگر جس کے خوف ناک منہ میں ایک لٹیرے کا نچا ہوا گریبان تھا۔دم ہلاتا ہوا دبلے آدمی کی طرف نگائیں نیچی کیے قدم اٹھانے لگا۔

کتے کے آتے ہی سب لٹیرے بھاگ گئے، صرف ایک باقی رہ گیا۔جس کے

تقسیم

ایک آدمی نے اپنے لئے لکڑی کا ایک بڑا صندوق منتخب کیا، جب اسے اٹھانے لگا تو وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا۔

ایک شخص نے جسے شاید اپنے مطلب کی کوئی چیز نہیں مل رہی تھی، صندوق اٹھانے کی کوشش کرنے والے آدمی سے کہا،

میں تمہاری مدد کروں!

صندوق اٹھانے کی کوشش کرنے والا امداد لینے پر راضی ہوگیا۔اس شخص نے جسے اپنے مطلب کی کوئی چیز نہیں مل رہی تھی۔اپنے مضبوط ہاتھوں سے صندوق کو جنبش دی اور اٹھا کر اسے اپنی پیٹھ پر دھرلیا،،،دوسرے نے سہارا دیا۔دونوں باہر نکلے۔

صندوق بہت بوجھل تھا۔اس کے وزن کے نیچے اٹھانے والے کی پیٹھ چیخ رہی تھی، ٹانگیں دوہری ہوتی جارہی تھیں، مگر انعام کی توقع نے اس جسمانی مشقت کا احساس نیم مردہ کردیا تھا۔

صندوق اٹھانے والے کے مقابلے میں صندوق کو منتخب کرنے والا بہت ہی کم زور تھا۔سارا راستہ وہ صرف ایک ہاتھ سے سہارا دے کر اپنا حق قائم رکھتا رہا۔جب دونوں محفوظ مقام پر پہنچ گئے، تو صندوق کو ایک طرف رکھ کر ساری مشقت برداشت کرنے والے نے کہا، بولو اس صندوق کے مال میں سے مجھے کتنا ملے گا۔

صندوق پر پہلی نظر ڈالنے والے نے کہا۔ایک چوتھائی۔۔

بہت کم،،،،

کم بالکل نہیں زیادہ ہے، صندوق پر سب سے زیادہ ہاتھ میں نے ہی ڈالا تھا۔۔

ٹھیک ہے لیکن یہاں تک اس کمر توڑ بوجھ لادکر لایا کون ہے۔

جائز استعمال

دس راؤنڈ چلانے والے اور تین آدمیوں کو زخمی کرنے کے بعد پٹھان بھی آخر سرخ رو ہو ہی گیا۔

ایک افراتفری مچی تھی، لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ چھینا جھپٹی ہو رہی تھی۔ مار دھاڑ بھی جاری تھی۔ پٹھان اپنی بندوق لئے گھسا، اور تقریباً ایک گھنٹہ کشتی لڑنے کے بعد تھرموس بوتل پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

پولیس پہنچی تو سب بھاگ گئے، پٹھان بھی۔

ایک گولی اس کے داہنے کان کو چاٹتی ہوئی نکل گئی۔ پٹھان نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی۔ اور سرخ رنگ کی تھرموس بوتل کو اپنے ہاتھ میں تھامے رکھا۔

اپنے دوستوں کے پاس پہنچ کر اس نے سب کو بڑے فخریہ انداز میں تھرموس بوتل دکھائی۔۔ ایک نے مسکرا کر کہا، خاں صاحب آپ یہ کیا اٹھا لائے؟

خاں صاحب نے پسندیدہ نظروں سے بوتل کے چمکتے ہوئے ڈھکن کو دیکھتے ہوئے

کہا، کیوں

یہ تو ٹھنڈی چیزیں ٹھنڈی اور گرم چیزیں گرم رکھنے والی بوتل ہے۔

خاں صاحب نے بوتل اپنی جیب میں رکھ لی، خوام اس میں نسوار رکھے گا،، گرمیوں میں گرم رہے گی، سردیوں میں سرد!

بے خبری کا فائدہ

لبلبی دبی، اس میں سے جھنجھلا کر گولی باہر نکلی،

کھڑکی میں سے باہر جھانکنے والا آدمی اسی جگہ دہرا ہو گیا۔

لبلبی تھوڑی دیر بعد پھر دبی،،،،، دوسری گولی بھنبھناتی ہوئی باہر نکلی،،،،

سڑک پر ماشکی کی مشک پھٹی۔ اوندھے منہ گرا، اور اس کا لہو مشک کے پانی میں حل ہو کر بہنے لگا،،،

لبلبی تیسری بار دبی،،، نشانہ چوک گیا، گولی ایک گیلی دیوار میں جذب ہو گئی۔

چوتھی گولی ایک بوڑھی عورت کی پیٹھ پر لگی،،،، وہ چیخ بھی نہ سکی اور وہیں ڈھیر ہو گئی،،،

پانچویں اور چھٹی گولی بے کار گئی، کوئی ہلاک ہوا نہ زخمی،،،،

گولیاں چلانے والا بھنا گیا، دفعتہً ایک چھوٹا سا بچہ سڑک پر دوڑتا ہوا دکھائی دیا، گولیاں چلانے والے نے پستول کا منہ اس کی طرف موڑا۔۔۔۔

اس کے ساتھی نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟

گولیاں چلانے والے نے پوچھا کیوں؟

گولیاں تو ختم ہو چکی ہیں،،،

تم خاموش رہو،،، اتنے سے بچے کو کیا معلوم؟

مناسب کاروائی

جب حملہ ہوا تو محلے میں اقلیت کے کچھ آدمی تو قتل ہو گئے، جو باقی تھے جانیں بچا کر بھاگ نکلے، ایک آدمی اور اس کی بیوی البتہ اپنے گھر کے تہہ خانے میں چھپ گئے۔

دو دن اور دو راتیں میاں بیوی نے متوقع قاتلوں کے انتظار میں گزار دیں۔ مگر کوئی نہ آیا۔

دو دن اور گزر گئے۔ موت کا ڈر کم ہونے لگا، بھوک اور پیاس نے زیادہ ستانا شروع کیا۔

خاوند نے بڑی نحیف آواز میں لوگوں کو متوجہ کیا، اور کہا ہم دونوں اپنا آپ تمہارے حوالے کرتے ہیں۔ ہمیں مار ڈالو،

جن کو متوجہ کیا گیا۔ وہ سب سوچ میں پڑ گئے۔ ہمارے دھرم میں تو جی ہتیا پاپ ہے۔

وہ سب جینی تھے، لیکن انہوں نے آپس میں مشورہ کیا، اور میاں بیوی کو مناسب کاروائی کے لئے دوسرے محلے کے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔۔

کرامات

لوٹا ہوا مال برآمد کرانے کے لئے پولیس نے چھاپے مارنے شروع کر دیے۔

لوگ ڈر کے مارے لوٹا ہوا مال رات کے اندھیرے میں باہر پھینکنے لگے، کچھ ایسے بھی تھے جنھوں اپنا مال بھی موقع پا کر اپنے سے علیحدہ کر دیا، تا کہ قانونی گرفت سے بچے رہیں۔۔۔

ایک آدمی ک و بہت دقت پیش آئی، اس کے پاس شکر کی دو بوریاں تھیں، جو اس نے پنساری کی دکان سے لوٹی تھیں۔

ایک تو وہ جوں کی توں رات کے اندھیرے میں پاس والے کنوئیں میں پھینک آیا، لیکن جب دوسری اٹھا کر اس میں ڈالنے لگا تو خود بھی ساتھ ہی چلا گیا۔۔

شور سن کر لوگ اکٹھے ہو گئے، کنوئیں میں رسیاں ڈالی گئیں۔ دو جوان نیچے اترے اور آدمی کو باہر نکال دیا، لیکن چند گھنٹوں کے بعد وہ مر گیا۔

دوسرے دن جب لوگوں نے استعمال کے لئے پانی نکالا تو وہ میٹھا تھا۔۔

اسی رات اس آدمی کی قبر پر دیے جل رہے تھے۔۔۔۔

اصلاح

کون ہو تم ؟

تم کون ہو؟

ہر ہر مہادیو،،،، ہر ہر میادیو،،،

ہر ہر مہادیو،،،

ثبوت کیا ہے؟

ثبوت،،، میرا نام دھرم چند ہے،،،

یہ کوئی ثبوت نہیں

چار ویدوں میں سے کوئی بھی بات مجھ سے پوچھ لو،

ہم ویدوں کو نہیں جانتے،،، ثبوت دو،،،

کیا؟

پائجامہ ڈھیلا کرو؟

پائجامہ ڈھیلا ہوا تو شور مچ گیا، مار ڈالو، مار ڈالو،،

ٹھہرو، ٹھہرو، میں تمہارا بھائی ہوں،،، بھگوان قسم تمہارا بھائی ہوں،،،

تو یہ کیا سلسلہ ہے؟

جس علاقے سے آرہا ہوں، وہ ہمارے دشمنوں کا تھا،،،

اس لئے مجبوراً مجھے ایسا کرنا پڑا،،، صرف اپنی جان بچانے کے لئے،،،، ایک یہی چیز غلط ہوگئی ہے، باقی بالکل ٹھیک ہوں،،،

اڑا دو غلطی کو،،،

غلطی اڑا دی گئی،،،، دھرم چند بھی ساتھ ہی اڑ گیا،،،،،

جیلی

صبح چھ بجے پٹرول پمپ کے پاس ہاتھ گاڑی میں برف بیچنے والے کے چھرا گھونپا گیا،،،سات بجے تک اس کی لاش لک بچھی سڑک پر پڑی رہی،اور اس پر برف پانی بن بن کر گرتی رہی۔

سوا سات بجے پولیس لاش اٹھا کر لے گئی،برف اور خون وہیں سڑک پر پڑے رہے۔

ایک تانگہ پاس سے گزرا،بچے نے سڑک پر جمے ہوئے خون کے جیتے جیتے چمکیلے لوتھڑے دیکھے،اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔اپنی ماں کا بازو کھینچ کر انگلی سے اس طرف اشارہ کیا،،،دیکھو ممی جیلی؟

دعوتِ عمل

آگ لگی تو سارا محلّہ جل گیا۔ صرف ایک دکان بچ گئی۔

جس کی پیشانی پر یہ بورڈ آویزاں تھا،،،،

یہاں عمارت سازی کا جملہ سامان ملتا ہے!

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ہمیشہ کی چھٹی

پکڑلو پکڑلو،،، دیکھو جانے نہ پائے

شکار تھوڑی سی دوڑ دھوپ کے بعد پکڑ لیا گیا۔۔۔

جب نیزے اس کے آر پار ہونے کے لئے آگے بڑھے، تو اس نے لرزاں آواز میں گڑگڑا کر کہا،،، مجھے نہ مارو،،،، مجھے نہ مارو،،،، میں تعطیلوں میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔۔۔۔۔

All rights reserved. ©2002-2006

حلال اور جھٹکا

میں نے اس کی شہ رگ پر چھری رکھی ،،ہولے ہولے پھیری اور اس کو حلال کر دیا،،،

یہ تم نے کیا کیا؟

کیوں؟

اس کو حلال کیوں کیا؟

مزہ آتا ہے اس طرح

مزہ آتا ہے کے بچے، تجھے جھٹکا کرنا چاہیے تھا،،اس طرح

اور حلال کرنے والے کی گردن کا جھٹکا ہو گیا۔۔۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
©2002-2006

گھاٹے کا سودا

دو دوستوں نے مل کر دس بیس لڑکیوں میں سے ایک چنی، اور بیالیس روپے دے کر اسے خرید لیا، رات گزار کر ایک دوست نے اس لڑکی سے نام پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟

لڑکی نے اپنا نام بتایا تو وہ بھنا گیا، ہم سے تو کہا گیا تھا کہ تم دوسرے مذہب کی ہو۔

لڑکی نے جواب دیا، اس نے جھوٹ بولا تھا۔

یہ سن کر وہ دوڑا دوڑا اپنے دوست کے پاس گیا، اور کہنے لگا۔

اس حرام زادے نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔

ہمارے ہی مذہب کی لڑکی ہمیں تھما دی،،، چلو واپس کر آئیں،،

حیوانیت

بڑی مشکل سے میاں بیوی گھر کا اثاثہ بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ جوان لڑکی تھی، اس کا کوئی پتہ نہ چلا، چھوٹی سی بچی تھی۔ اس کو ماں نے اپنے سینے کے ساتھ چمٹائے رکھا۔ ایک بھوری بھینس تھی۔ اس کو بلوائی ہانک کر لے گئے۔ گائے بچ گئی، مگر بچھڑا نہ ملا،

میاں بیوی ان کی چھوٹی لڑکی اور گائے ایک جگہ چھپے ہوئے تھے۔ سخت اندھیری رات تھی۔ بچی نے ڈر کر رونا شروع کیا، تو خاموش فضا میں جیسے کوئی ڈھول پیٹنے لگا، ماں نے خوف زدہ ہو کر بچی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کہ دشمن نہ سن لے، آواز دب گئی۔ باپ نے احتیاطاً اوپر گاڑھے کی موٹی چادر ڈال دی۔

تھوڑی دیر بعد دور سے کسی بچھڑے کی آواز آئی۔

گائے کے کان کھڑے ہوئے۔ اٹھی اور ادھر ادھر دیوانہ وار ڈکرانے لگی۔

اس کو چپ کرانے کی بہت کوشش کی گئی، مگر بے سود،

شور سن کر دشمن آ پہنچا، دور سے مشعلوں کی روشنی دکھائی دی۔

بیوی نے اپنے میاں سے بڑے غصے کے ساتھ کہا۔

تم کیوں اس حیوان کو اپنے ساتھ لے آئے:۔۔

کھاد

اس کی خودکشی پر اس کے ایک دوست نے کہا

بہت ہی بیوقوف تھا جی۔ میں نے لاکھ سمجھایا کہ دیکھو اگر تمہارے کیس کاٹ دیئے ہیں، اور تمہاری داڑھی مونڈ دی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارا دھرم ختم ہو گیا ہے۔۔ روز دہی استعمال کرو، واہگورو جی نے چاہا، تو ایک ہی برس میں تم ویسے کے ویسے ہو جاؤ گے!

کسر نفسی

چلتی گاڑی روک لی گئی، جو دوسرے مذہب کے تھے، ان ک ونکال نکال کر تلواروں اور گولیوں سے ہلاک کر دیا گیا۔ اس سے فارغ ہوک رباقی مسافروں کی حلوے، دودھ، اور پھلوں سے تواضع کی گئی۔ گاڑی چلنے سے پہلے تواضع کرنے والوں کے منتظم نے مسافروں کو مخاطب کر کے کہا، بھائیو اور بہنو! ہمیں گاڑی کی آمد کی اطلاع بہت دیر میں ملی، یہی وجہ ہے کہ ہم جس طرح چاہتے تھے آپ کی خدمت نہ کر سکے۔

استقلال

میں سکھ بننے کے لئے ہرگز تیار نہیں،، میرا استرا واپس کر دو مجھے۔۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

نگرانی میں

الف، اپنے دوست ب کو اپنا ہم مذہب ظاہر کر کے اسے مقام پر پہنچانے کے لئے ملٹری کے ایک دستے کے ساتھ روانہ ہوا، راستے میں ب نے جس کا مذہب مصلحتاً بدل دیا گیا تھا،، ملٹری والوں سے پوچھا کیوں جناب، آس پاس کوئی واردات تو نہیں ہوئی، جواب ملا کوئی، خاص نہیں، فلاں محلے میں البتہ ایک کتا مارا گیا۔

سہم کر، ب نے پوچھا،، کوئی اور خبر،،،

جواب ملا، خاص نہیں، نہر میں تین کتیوں کی لاشیں ملیں،،،،

ا، نے، ب، کی خاطر ملٹری والوں سے پوچھا، ملٹری کچھ انتظام نہیں کرتی،،،

جواب ملا، کیوں نہیں سب کام اسی کی نگرانی میں ہوتا ہے!۔۔

جوتا

ہجوم نے رخ بدلا،اور سر گنگا رام کے بت پر پل پڑا۔لاٹھیاں برسائی گئیں،اینٹیں اور پتھر پھینکے گئے۔ایک نے منہ پر تارکول مل دیا۔۔دوسرے نے بہت سے پرانے جوتے جمع کیے اور ان کا ہار بنا کر بت کے گلے میں ڈالنے کے لئے آگے بڑھا۔مگر پولیس آ گئی،اور گولیاں چلنا شروع ہوئیں۔جوتوں کا ہار پہنانے والا زخمی ہوگیا۔۔چنانچہ مرہم پٹی کے لئے اسے سر گنگا رام ہسپتال بھیج دیا گیا۔

رعایت

میری آنکھوں کے سامنے میری جوان بیٹی کو نہ مارو،

چلو اسی کی مان لو،،،، کپڑے اتار کر ہا نک دو، ایک طرف ،،،،،

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

صفائی پسندی

گاڑی رکی ہوئی تھی،

تین بندوقچی ایک ڈبے کے پاس آئے،،کھڑکیوں میں سے اندر جھانک کر انہوں نے مسافروں سے پوچھا،،کیوں جناب کوئی مرغا ہے؟

ایک مسافر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔باقیوں نے جواب دیا،،جی نہیں،،،

تھوڑی دیر کے بعد چار نیزہ بردار آئے۔کھڑکیوں میں سے اندر جھانک کر انہوں نے مسافروں سے پوچھا،،،جناب کوئی مرغا ور غا ہے؟

اس مسافر نے جو پہلے کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا،جواب دیا جی معلوم نہیں،،،آپ اندر آ کر سنڈاس میں دیکھ لیجیے۔۔نیزہ بردار اندر داخل ہوئے۔۔سنڈاس توڑا گیا۔

تو اس میں سے ایک مرغا نکل آیا،،

ایک نیزہ بردار نے کہا کردو،حلال،،،

دوسرے نے کہا،،نہیں یہاں نہیں،،،ڈبہ خراب ہوجائے گا،،،باہر لے چلو،،،،

صدقے اس کے

مجرا ختم ہوا، تماشائی رخصت ہوئے ،تو استاد جی نے کہا، سب کچھ لٹا پٹا کر یہاں آئے تھے، لیکن اللہ میاں نے چند ہی دنوں میں وارے نیارے کر دیے۔۔۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اشتراکیت

وہ اپنے گھر کا تمام ضروری سامان ٹرک میں لدوا کر دوسرے شہر جا رہا تھا۔ کہ راستے میں لوگوں نے اسے روک لیا، ایک نے ٹرک کے مال پر حریصانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا، دیکھو یار کس مزے سے اتنا مال اکیلا اڑائے چلا جا رہا ہے۔

اسباب کے مالک نے مسکرا کر کہا، جناب یہ مال میرا اپنا ہے۔۔۔

دو تین آدمی ہنسے،، ہم سب جانتے ہیں،،،

ایک آدمی چلایا،، لوٹ لو،، یہ امیر آدمی ہے،،،

ٹرک لے کر چوریاں کرتا ہے۔۔۔

اُلہنا

دیکھو یار تم نے بلیک مارکیٹ کے دام بھی لیے، اور ایسا ردی پٹرول دیا کہ اس سے ایک دکان بھی نہیں جلی۔۔۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

آرام کی ضرورت

مرا نہیں،،، دیکھو ابھی جان باقی ہے،،، رہنے دو یار،،، میں تھک گیا ہوں،،،

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

قسمت

کچھ نہیں دوست

اتنی محنت کرنے پر صرف ایک بکس ہاتھ لگا تھا،

پر اس میں بھی سالا،،،سور کا گوشت نکلا،،،

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

آنکھوں پر چربی

ہماری قوم کے لوگ بھی کیسے ہیں،

پچاس سور، اتنی مشکلوں کے بعد تلاش کرکے اس مسجد میں کاٹے ہیں،

وہاں دھڑا، دھڑ گائے کا گوشت بک رہا ہے۔۔

لیکن یہاں سور،، کا مانس،، خرید نے کے لئے کوئی آتا ہی نہیں،،،

------the end------ختم شد---------

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006